AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قرآنِ کریم میں حیوانات کے تذکرے کی حکمت: فکری، اخلاقی اور علامتی جہات

The Wisdom Behind the Mention of Animals in the Holy Qur'an: Intellectual, Moral, and Symbolic Dimensions

***Ubaid Ur Rehman**, PhD Scholar, Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad, **Email**: urrehman.007@gmail.com ORCID: https://orcid.org/0009-0003-1067-1588*
***Dr Sami Ul haq,** Professor , Alhamd Islamic University, **Email**: dr.sami@alhamd.pk*

Abstract:

This research article explores the profound theological, intellectual, and teleological wisdom underlying the mention of animals in the Holy Quran- Moving beyond superficial biological accounts or simple allegorical devices, the Quranic discourse strategically utilizes the animal kingdom as empirical, observable evidence to substantiate the core doctrines of monotheism (Tawhid), divine providence (Rububiyyah), and absolute divine knowledge- Through a textual and analytical evaluation of classical and contemporary exegeses—including the authoritative works of Imam al-Razi, al-Tabari, al-Qurtubi, and Allamah Tabataba'i—this study demonstrates how structural biological dualities, avian flock dynamics, and the instinctual socio-behavioral order of various species serve as manifest signs of a singular, omnipotent Creator- The paper contextualizes these natural phenomena within the broader Quranic framework of cosmic harmony, illustrating that the physical laws governing animal life are direct reflections of divine volition rather than autonomous natural processes-

Furthermore, the study delves into the moral, psychological, and ecological dimensions of Quranic animal imagery, where specific behavioral traits are employed as ethical benchmarks to critique and refine human nature- By drawing archetypal comparisons between animal instincts and human behavioral degradation—such as the loss of spiritual intellect reducing humans to a state below that of cattle—the Quran establishes a profound pedagogical framework for self-reckoning and psycho-spiritual cultivation- Concurrently, the depiction of animals as distinct, organized communities (Umam) underscores a comprehensive Islamic ecological philosophy rooted in cosmic equilibrium and systemic justice- The research concludes that the Quranic depiction of the animal kingdom functions as an intellectual and moral mirror for humanity, prompting mankind to honor its existential role as the divine vicegerent (Khalifah) by maintaining ethical moderation, environmental stewardship, and justice across the shared terrestrial ecosystem-

***Keywords:** Quran, Animals, Tawhid, Wisdom, Ecology, Ethics, Psychology, Exegesis, Symbolism, Harmony*

قرآنِ کریم کا بنیادی مقصد انسان کی فکری، اخلاقی اور عملی رہنمائی ہے، نہ کہ مخلوقاتِ عالم کا محض سائنسی یا طبعی تعارف پیش کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تمام مظاہرِ قدرت اور انواع واقسامِ مخلوقات کو انسانی ہدایت کے لیے ایک مؤثر وسیلہ بنایا ہے۔ انہی مظاہر میں "حیوانات" کا تذکرہ خاص اہمیت رکھتا ہے؛ کیونکہ ان کے ذریعے قرآن انسانی فکر کو بیدار، دل کو نرم اور کردار کو سنوارنے کا سامان فراہم کرتا ہے۔ قرآن میں جانوروں کے ذکر کا مقصد ان کے وجود کی حیاتیاتی تفصیلات بیان کرنا نہیں، بلکہ ان کی مثالوں سے انسان کو غور وفکر، عبرت اور اصلاحِ نفس کی دعوت دینا ہے۔

قرآنِ مجید میں حیوانات کے بیان سے ایک طرف جہاں خالق کی قدرت و ربوبیت واضح ہوتی ہے، تو دوسری طرف مخلوق کے لیے اخلاقی و روحانی دروس سامنے آتے ہیں۔ یہی تنوع اس امر کا مقتضی ہے کہ قرآن ہر چیز کو ہدایت کے زاویے سے دیکھتا ہے، خواہ وہ ایک معمولی کیڑا ہو یا کوئی عظیم الجثہ حیوان۔ ان تمثیلات اور قصص کے ذریعے انسان کو اپنی حقیقت پہچاننے، غرور و غفلت سے بچنے اور کائنات میں اپنے حقیقی مقام و ذمہ داری کو سمجھنے کی راہ دکھائی گئی ہے۔ یوں یہ تذکرہ محض معلوماتی یا ادبی پہلو نہیں رکھتا، بلکہ ایک ایسی مقصدی اور ہدایتی جہت کا حامل ہے جو انسانی ذہن و وجدان کو بیدار کر کے اسے ایمان اور عملِ صالح کے اعلیٰ ترین معیار تک پہنچاتی ہے۔

1۔ فکری اور تنبیہی جہت(The Intellectual and Warning Dimension)

قرآنِ کریم میں حیوانات کا ذکر محض تکوینی مظاہر کے بیان کے لیے نہیں، بلکہ انسان کو اس کی فکری کمزوریوں، غفلتوں اور گناہوں پر متنبہ کرنے کے لیے بھی کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب ایک گہری تربیتی حکمت کا حصہ ہے، جو انسان کو اپنے اعمال کے نتائج پر غور کرنے اور اپنے خالق کے سامنے عاجزی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے بعض حیوانات کی مثالیں دے کر انسان کو یہ باور کرایا کہ اگر وہ عقل و فکر سے کام نہ لے، تو اس کی حالت ان بے عقل مخلوقات سے بھی کمتر ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں سورۃ الحج میں مکھی کی مثال دے کر انسان کی بے بسی اور معبودانِ باطلہ کی کمزوری پر نہایت بلیغ انداز میں تنبیہ فرمائی گئی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾ [1]

"اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے تو اسے کان لگا کر سنو، بیشک اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکیں گے اگرچہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں گے۔ کتنا کمزور ہے چاہنے والا اور وہ جسے چاہا گیا۔"

یہ آیت اپنے اندر ایک عمیق فکری پیغام رکھتی ہے۔ امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیری جہت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس لیے دی تاکہ انسان کی ذاتی کمزوری اور عاجزی بالکل عیاں ہو جائے؛ پس جو مخلوق اپنی مانند یا اپنے سے بھی کمزور مادی وجود کو الٰہ کا درجہ دیتی ہے، اس کی عقل کی نارسائی مضحکہ خیز ہے[2]۔ اسی طرح علامہ طباطبائی نے اس تنبیہ کو انسانی فطرت کے زوال سے جوڑتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت میں مشرکین کے فکری انحطاط پر طنز ہے کہ وہ اپنی فطرتِ سلیمہ سے اس درجہ غافل ہو گئے کہ اس مکھی سے بھی زیادہ عاجز دکھائی دیتے ہیں جو ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اسے واپس لینے کی قدرت بھی نہیں رکھتے[3]۔

فکری تنبیہ کا یہ پہلو صرف حقیر جانداروں تک محدود نہیں، بلکہ قرآن کریم میں "دابۃ"، "حیۃ" اور "وحش" جیسے الفاظ کے ذریعے موذی مخلوقات کے خطرناک پہلوؤں کی طرف اشارہ کر کے انسان کو داخلی اور اخلاقی درندگی سے بچنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ طٰہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سانپ بن جانے «فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ»[4] کے تناظر میں امام قرطبی لکھتے ہیں کہ سانپ بیداری اور خواب دونوں حالتوں میں خوف اور تنبیہ کی علامت ہے، اور قرآن میں اس کا یہ حسی تذکرہ گناہگار کے لیے خوف اور غافل کے لیے بیداری کا استعارہ بن کر ابھرتا ہے[5]۔ اسی اخلاقی و نفسیاتی تناظر کو سید قطب نے یوں بیان کیا ہے کہ قرآن درندوں کی ضاری شبیہ کو اس انسانی نفس کے ساتھ مربوط کرتا ہے جو حق کے دائرے سے نکل کر باطل پر اصرار کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ سنگدلی میں کسی مہیب درندے کی مانند ہو جاتا ہے[6]۔

مفسرینِ کرام کے نزدیک ان حیوانی تمثیلات کی تکرار کا اصل مقصد غفلت زدہ دلوں کو جھنجھوڑنا ہے۔ علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں کہ قرآن میں حیوانی مثالوں کی تکرار کا مقصود ہی یہ ہے کہ غافل نفوس کو متوجہ کیا جائے کہ کائنات کی ہر چیز — حتیٰ کہ وہ حیوان بھی جسے انسان اپنے سے کمتر سمجھتا ہے — درصل قدرتِ الٰہی کی ایک عظیم نشانی ہے[7]۔ اسی مفہوم کو دورِ حاضر کے مفسر علامہ سید محمد حسین فضل اللہ نے ان الفاظ میں سمیٹا ہے کہ قرآن میں حیوانات کا ذکر اللہ کے تکوینی نظام پر غور کی دعوت اور انسانی ضمیر کو غفلت سے جگانے کا ذریعہ ہے؛ یہ ایک خالص تربیتی تنبیہ ہے نہ کہ محض کوئی طبعی یا سائنسی منظر کشی[8]۔

2۔ اخلاقی اور تربیتی جہت(The Moral and Educational Dimension)

قرآنِ کریم کا مقصد انسان کو صرف عقائد یا خشک احکام سے روشناس کرانا نہیں، بلکہ اس کی اخلاقی تعمیر اور فکری تزکیہ بھی ہے۔ اسی لیے قرآن نے فطرتِ انسانی سے قریب ترین حسی مثالیں پیش کیں تاکہ نصیحت زیادہ مؤثر اور ذہن نشین ہو۔ حیوانات کے ذکر میں یہی نصیحتی اور تربیتی پہلو نمایاں نظر آتا ہے،

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

چاہے وہ اونٹ کے نظامِ تخلیق میں غور و فکر کی دعوت ہو، یا چیونٹی اور ہدہُد کے کردار میں حکمت و شعور کی تعلیم۔

چنانچہ سورۃ الغاشیہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ "[9]

کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا؟"

یہ آیت ایک جامع اخلاقی موعظت پر مشتمل ہے۔ اونٹ عرب معاشرت میں طاقت، صبر اور خدمت کی علامت تھا، لہٰذا اس کے مادی وجود کو تدبر کا مرکز بنایا گیا۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عربوں کو ان کے ماحول کی سب سے مانوس اور قریب ترین چیز (اونٹ) کے ذریعے متوجہ کیا، تاکہ وہ اس کے عجیب الخلقت نظام میں صانعِ حقیقی کی قدرت کو پہچانیں اور پھر اپنی ذات کے اخلاقی احوال پر غور کریں[10]۔ علامہ قرطبی نے اس آیت سے عملی اخلاقیات اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اونٹ کی تخلیق پر نظر کرنے میں انسان کے لیے یہ عملی نصیحت ہے کہ وہ زندگی کی مشقتوں پر کس طرح صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے، جیسے اونٹ بھاری بوجھ اٹھا کر طویل مسافتیں طے کر لیتا ہے[11]۔ علامہ طباطبائی المیزان میں اس نصیحتی پہلو کو مزید گہرا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اونٹ فطری قوانین پر چلنے والی ایک منظم زندگی کا زندہ نمونہ ہے، جو اس انسان کے لیے تازیانۂ عبرت ہے جو اپنے انفرادی اور اجتماعی نظام سے غافل ہو چکا ہے[12]۔

اسی طرح سورۃ النمل میں چیونٹی اور ہدہُد کے واقعات محض قصص نہیں بلکہ شعور، نظم و ضبط اور احساسِ ذمہ داری کے لازوال تربیتی اسباق ہیں۔ جب چیونٹی نے کہا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّملُ ادخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ [13]

"اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں تمہیں کچل نہ ڈالیں۔"

تو اس ظاہری حکایت کے پیچھے چھپے تربیتی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس چیونٹی کے طرزِ عمل میں انسانوں کے لیے خیر خواہی اور پیش بندی کی عظیم نصیحت ہے، جو ایک ایسی مثالی اور باحکمت قیادت کی ترجمانی کرتی ہے جو اپنی رعایا کے تحفظ کے لیے ہر وقت فکر مند رہتی ہے[14]۔ علامہ طباطبائی کے نزدیک چیونٹی کا یہ کردار سماجی تعاون کا استعارہ ہے؛ قرآن کا مقصد محض قصہ گوئی نہیں بلکہ یہ اشارہ کرنا ہے کہ انسانی معاشرے کا ارتقاء اور کمال بھی اسی وقت ممکن ہے جب اس میں ایسا ہی اجتماعی شعور (Collective Consciousness) پیدا ہو جائے[15]۔

دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ہدہُد کی غیر حاضری اور اس کی باز پرس کا واقعہ:

﴿مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ﴾[16]

اس سائنسی اور فکری حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ شعور و معرفت کا دائرہ کسی مادی جثے کا محتاج نہیں۔ ہدہُد نے قومِ سبا کے شرک پر جو فکری احتجاج کیا، اس پر امام رازی لکھتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے پرندے نے توحید کی وہ معرفت حاصل کر لی جس سے انسانوں کے بڑے بڑے گروہ محروم رہے، اس میں انسان کے لیے ترغیب ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ عقل کو وحی اور توحید کے فہم کے لیے استعمال کرے[17]۔ اسی طرح سید قطب نے اس سے یہ تربیتی نکتہ نکالا ہے کہ ہدہُد کا یہ تذکرہ انسان کو سکھاتا ہے کہ وہ کائنات کے کسی وجود کو حقیر نہ سمجھے، کیونکہ بسا اوقات ایک ادنیٰ مخلوق بھی کسی متکبر انسان سے زیادہ بصیرت کی حامل ہو سکتی ہے[18]۔

آخر میں، سورۃ البقرہ میں گائے کو ذبح کرنے کا حکم «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً» [19] بنی اسرائیل کے مادی تکبر اور فکری جمود کو توڑنے کے لیے تھا۔ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ گائے کا یہ تذکرہ بنی اسرائیل کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی کے بعد عاجزی سکھانے کے لیے تھا، تاکہ وہ مادی استدلال کے بت کو توڑ کر اطاعتِ الٰہی کے خوگر بنیں[20]۔ علامہ ابن عاشور اس کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں حیوانات کا کوئی بھی تذکرہ اخلاقی اور تہذیبی مقاصد سے خالی نہیں؛ ہر مثال کا بنیادی ہدف انسان کے اندر موجود خود پسندی، غرور اور غفلت کی جڑوں کو کاٹنا اور اس کا تزکیہ کرنا ہے[21]۔

3۔ اخلاقی و تربیتی جہت: کائناتی مظاہر اور نظامِ حیات

قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان ایسا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ وہ محض مجرد عقائدی یا اخلاقی تعلیمات تک محدود نہیں رہتا، بلکہ انسان کو کائنات کے ہر مادی و

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نامیاتی مظاہر میں غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ حیوانات کا ذکر اس سلسلے میں نہ صرف خالق کی تکوینی قدرت کے مشاہدے کے لیے ہے، بلکہ انسانی نفس کی تربیت، عملِ صالح اور شعوری بیداری کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔ قرآن نے کئی مقامات پر حیوانات کے جبلّی طرزِ عمل، ان کی حیاتیاتی ساخت اور نظامِ حیات کو بطور تربیتی مثال پیش کیا ہے تاکہ انسان ان سے سبق حاصل کر کے اپنے فکری و روحانی ارتقاء کی راہ متعین کر سکے۔

اس نظامِ تربیت کی پہلی کڑی مشاہدۂ فطرت ہے۔ چنانچہ سورۃ الغاشیہ میں ارشاد ہوا: «أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ »[22]۔ یہ آیت انسان کو محض اونٹ کا جثہ دیکھنے کی نہیں، بلکہ اس کی تخلیق میں کارفرما صانعِ حقیقی کی تدبیر پر غور کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ امام فخر الدین رازی اس کی تشریح میں رقم طراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اونٹ کی تخلیق پر غور و خوض کی دعوت اس لیے دی کیونکہ اس کے وجود میں ایسے نادر عجائبات پائے جاتے ہیں جو کمالِ قدرت پر دلالت کرتے ہیں، اور یہ انسان کی معاشی و تمدنی زندگی سے قریب ترین جاندار ہے23۔ اس حسی مشاہدے میں انسانی معاشرے کے لیے صبر، اطاعت، قوتِ برداشت اور اعتدال جیسی صفات کی گہری عملی تربیت پوشیدہ ہے۔

اسی طرح سورۃ النحل میں شہد کی مکھی کے نظامِ حیات کو ایک اعلیٰ تمدنی نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے: «وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ »[24]۔ یہ آیت اس فکری حقیقت کی دلیل ہے کہ حیوانات کی زندگی میں ایک منظم خداداد نظم و ضبط اور اجتماعی شعور پایا جاتا ہے۔ امام قرطبی اس الہام کی تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی کو شہد سازی کی صنعت اور اپنے گھروں کی تعمیر و نظم کا الہام فرمایا؛ یہ وحیِ خاص دراصل نوعِ انسانی کے لیے ایک تربیتی مقتضیٰ ہے کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں محنت اور نظم و ضبط کو اختیار کرے[25]۔ علامہ طباطبائی المیزان میں اس الٰہی نظم کو کائناتی توحید سے جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی کی طرف وحی کا مفہوم محض ایک جبلّی الہام نہیں، بلکہ یہ اس عالمگیر الٰہی نظام کی نشاندہی ہے جو کائنات کے ہر موجود میں جاری و ساری ہے، تاکہ انسان کو یہ بصیرت حاصل ہو کہ یہ کارخانۂ قدرت دراصل توحید کا ایک عظیم مدرسہ ہے[26]۔

تربیتِ یقین اور توکل کا یہی اسلوب پرندوں کی پرواز کے تذکرے میں بھی نظر آتا ہے: «أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ »[27]۔ یہ مشاہداتی دعوت انسان کو مادی اسباب کے سحر سے نکال کر مسبب الاسباب پر یقین اور اپنی عاجزی کا ادراک سکھاتی ہے۔ حافظ ابن کثیر اس کی تفسیری جہت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فضاؤں میں پرندوں کی پرواز اللطیف الخبیر کی قدرت کی دلیل ہے، اور اللہ ہی اپنے تکوینی قوانین کے تحت انہیں تھامے رکھتا ہے، تاکہ یہ منظر انسان کے لیے اپنے رب پر اعتماد اور توکلِ خالص کا ایک عملی درس بن جائے[28]۔ یہاں انسان کو یہ فکری شعور دیا گیا ہے کہ کائنات کی حرکات محض اندھے طبیعی قوانین کا نتیجہ نہیں بلکہ خالقِ حقیقی کی حکمت کا مظہر ہیں۔

اس پورے تربیتی منہج کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے سید قطب لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم پورے مادی وجود کو ایک فعال درسگاہ اور ہر کائناتی مظہر کو ایمان کا ایک زندہ سبق بنا دیتا ہے؛ حیوانات بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے جبلّی رویوں کے ذریعے انسان کو نظامِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے، پیہم جدوجہد اور خلوصِ عمل کا بہترین نمونہ فراہم کرتے ہیں[29]۔ مفسرین کا یہ استدلال واضح کرتا ہے کہ قرآن میں حیوانات کا تذکرہ اسلامی علمیات (Islamic Epistemology) کا حصہ ہے، جہاں علم محض معلومات کا نام نہیں بلکہ فکر اور کردار کی تطہیر کا ذریعہ ہے۔

4۔ بیانیاتی اور قصصی جہت: تاریخی و تربیتی کردار

قرآنِ کریم کے اسالیبِ بیان میں قصصِ انبیاء اور واقعاتی حکایات کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، جن کے ذریعے عقائد، اخلاق اور الٰہی ضوابط کو انسانی ذہن کے قریب لایا گیا ہے۔ ان قصص میں حیوانات محض پس منظر (Background) کے طور پر نہیں آتے، بلکہ وہ بیانیے کی تکمیل میں معاون اور متحرک کردار (Dynamic Agents) کا منصب سنبھالتے ہیں، جن کی موجودگی سے واقعاتی تسلسل قائم ہوتا ہے اور گہرے فکری و روحانی اسباق سامنے آتے ہیں۔

اس کی ایک نمایاں مثال حضرت یونس علیہ السلام اور مچھلی کا واقعہ ہے، جہاں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: « فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ »[30]۔ یہاں مچھلی کو اللہ

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تعالیٰ نے اپنے نبی کی آزمائش اور توبہ کے لیے ایک آلۂ تربیت کے طور پر استعمال فرمایا۔ امام فخر الدین رازی اس واقعے کی فلسفیانہ جہت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ کو یونس علیہ السلام کے لیے غرقاب ہونے سے بچنے کا وسیلہ اور انہیں صبر، تسلیم اور رضا کا مفہوم سکھانے کا ایک انوکھا ذریعہ بنایا[31]۔ اس بیانیے میں مچھلی سزا کا نشان نہیں بلکہ الٰہی رحمت اور توبہ کی قبولیت کا استعارہ بن کر ابھرتی ہے، جو انسان کو سکھاتی ہے کہ بندہ جب کسی لغزش کا شکار ہو جائے تو اس کی نجات صرف اخلاصِ ندامت میں ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا مہیب سانپ میں تبدیل ہو جانا بیانیاتی طور پر معجزے کی سچائی اور باطل کے زوال کو مادی شکل میں مجسم کرتا ہے: «**فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ**» 32۔ امام قرطبی اس کی تفسیری حکمت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ عصا کا اچانک اژدہا بن جانا اس امر کی قاطع نشانی ہے کہ اللہ اپنی مشیّت سے اشیاء کی مادی ماہیت (Essence) کو بدلنے پر قادر ہے، اور یہ کہ جادوگروں کا بناوٹی باطل، حقِ ظاہر کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوتا ہے[33]۔ یہ حیوانی کردار یہاں انسانی یقین کو استقامت عطا کرتا ہے اور توحیدِ خالص کے بیانیے کو فرعون کے دربار میں قائم کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں، اصحابِ کہف کے قصے میں ان کے کتے کا تذکرہ رفاقت اور وفاداری کی ایک لازوال مثال بن کر سامنے آتا ہے: «**وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ**» [34]۔ یہ کتا بظاہر اس عظیم واقعے کا ایک عام سا جاندار ہے، مگر وفاداری اور اخلاص کا ایسا نمونہ ہے جسے وحیِ الٰہی نے ابد تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ امام ابن جریر الطبری اس کی علامتی و علمی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صالحین کے ساتھ اس کتے کا تذکرہ دراصل اس کی تکریم ہے کیونکہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی صحبت اختیار کی؛ اس میں انسانوں کے لیے یہ لطیف اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت انسان کے مرتبے اور ذکر کو بلند کر دیتی ہے[35]۔

انسانی شعور کے بالکل ابتدائی ارتقاء میں بھی ایک حیوانی کردار معلم بن کر سامنے آتا ہے، جیسا کہ ہابیل اور قابیل کے قصے میں کوّے کا تذکرہ ملتا ہے: «**فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ**» [36]۔ یہاں کوّا نوعِ انسانی کو پہلا تمدنی اور اخلاقی درس (احترامِ میّت اور تدفین) دینے کے لیے مبعوث کیا گیا۔ علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں کہ کوّے کے بھیجے جانے میں انسان کو تدفین کا پہلا عملی سبق دیا گیا، جو اس بات کا مقتضیٰ ہے کہ انسانی فطرت کی تقویم اور اس کے شعور کی نگہداشت کے لیے الٰہی تدبیر نے ہمیشہ مختلف ذرائع استعمال کیے ہیں[37]۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی کبھی کائنات کی ایک ادنیٰ مخلوق بھی معلمِ انسانیت کا منصب پا لیتی ہے۔

ان تمام بیانیاتی مثالوں کا محاکمہ کرتے ہوئے سید قطب لکھتے ہیں کہ قرآنی قصص میں حیوانات محض داستان سرائی یا تفریح کے لیے نہیں آتے، بلکہ وہ زندگی میں جاری الٰہی قوانین (سننِ الٰہیہ) کے حقیقی اور مادی اظہار کا ذریعہ ہیں، جو انسانی ضمیر کی اخلاقی بیداری کے لیے استعاروں کا کام کرتے ہیں[38]۔ یوں مچھلی توبہ کا، سانپ توحید کی مادی قوت کا، کتا وفاداری کا اور کوّا انسانی تمدن کی ابتدائی بیداری کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

5۔ رمزی اور علامتی جہت: معانی کا استعاراتی نظام

قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان محض واقعاتی یا بیانیہ حدود تک محدود نہیں، بلکہ وہ رمزی (Symbolic) اور استعاراتی (Allegorical) جہتوں سے بھی مالا مال ہے۔ یہ رموز انسانی عقل و قلب میں ایسی فکری گہرائی پیدا کرتے ہیں جو محض سادہ الفاظ سے ممکن نہیں ہوتی۔ حیوانات کے متعدد تذکرے اسی علامتی طرزِ بیان کے مظاہر ہیں، جہاں جاندار اپنے مادی وجود سے بلند ہو کر گہرے اخلاقی اور فکری معانی کے نمائندے بن جاتے ہیں۔ امام ابن القیم اس رمزیاتی گہرائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن ایک بے کنار سمندر ہے؛ جو شخص اس کی مثالوں اور قصص میں غور و فکر کرے گا، وہ ظاہری الفاظ کے پسِ پردہ ایسے معانیِ عالیہ پا لے گا جنہیں اللہ تدبر کرنے والے دلوں پر کھول دیتا ہے[39]۔ اس تناظر میں گائے، مکڑی اور ہاتھی کی علامتیں خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

سورۃ البقرہ میں گائے کا تذکرہ بنی اسرائیل کی نفسیات اور ان کے فکری انحطاط کی علامت بن کر ابھرتا ہے: «**إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً**» [40]۔ یہ قربانی کا حکم محض ایک فقہی مسئلہ نہیں تھا، بلکہ ان کی ضد، حجت بازی اور تاخیرِ اطاعت کا پردہ چاک کرنا مقصود تھا۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کی نافرمانی اور انبیاء سے ان کی بے جا تکرار کا استعارہ ہے؛ یہاں گائے ان کے ان سخت دلوں کی عکاس ہے جو حکمِ الٰہی کے سامنے صرف شدید مجبوری اور

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اتمامِ حجت کے بعد جھکتے ہیں[41]۔ علامہ طباطبائی اس علامت کو ان کی مادی جبلّت کے زوال سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گائے کا ذبح کرنا دراصل اس باطل عقیدت کے خاتمے کی علامت تھا جو ان کے دلوں میں بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے جڑ پکڑ چکی تھی؛ چنانچہ ان کے رویوں کی اصلاح سے پہلے ان کے عقیدے کی تطہیر ضروری تھی[42]۔ یوں "گائے" تعنت، ضد اور مادی معبودوں کی نفی کی علامت ہے۔

باطل افکار اور عارضی مادی سہاروں کی ناپائیداری کو واضح کرنے کے لیے قرآنِ کریم نے مکڑی کے جالے سے بڑھ کر کوئی دوسری بلیغ علامت پیش نہیں کی: «مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ»[43]۔ یہاں مکڑی محض ایک جاندار نہیں، بلکہ باطل افکار کی اندرونی بے بنیاد اور فریبِ نظر کی علامت ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار کے باطل عقائد اور ان کے معبودوں کی کمزوری کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی ہے، جو بظاہر ایک بنا ہوا گھر نظر آتا ہے، مگر فکری و مادی اعتبار سے اس درجہ ناپائیدار ہے کہ معمولی سی مادی جنبش یا ہوا کا ایک جھونکا بھی اسے نیست و نابود کر دیتا ہے[44]۔ اس علامت کو سیاسی اور تمدنی تناظر دیتے ہوئے سید قطب لکھتے ہیں کہ یہ ان مادی معاشروں اور فرعونوں کی ایک مہیب تصویری علامت ہے جو مادی قوت، ٹیکنالوجی اور دولت کے بل بوتے پر اپنے تحفظ کا جالا بنتے ہیں، حالانکہ ایمان اور توحید کے بغیر ان کی یہ خود ساختہ سیکیورٹی مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے[45]۔

طاقت کے اسی مادی زعم اور عسکری تکبر کو توڑنے کے لیے سورۃ الفیل میں ہاتھی کی علامت استعمال کی گئی ہے: «أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ»[46]۔ یہاں ہاتھی مادی برتری، ظاہری فرعونیت اور ناقابلِ شکست عسکری قوت کا استعارہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ابابیل جیسے حقیر پرندوں کے ذریعے مٹی میں ملا دیا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابرہہ اور اس کے لشکر کا ہاتھیوں پر تکیہ کرنا ان کے مادی غرور کی انتہا تھی، لیکن وہ عظیم الجثہ ہاتھی اللہ کی قاہرانہ قدرت کے سامنے بالکل بے وقعت ثابت ہوئے؛ یوں ہاتھی کائنات میں مادی قوت کی بے ثباتی کا ایک دائمی نشان بن گیا[47]۔ علامہ طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں کہ سورۃ الفیل تاریخ کی اس عبرت کا علامتی اشارہ ہے کہ کوئی بھی انسانی طاقت، خواہ وہ مادی طور پر کتنی ہی منظم، مسلح اور مہیب کیوں نہ ہو، مشیّتِ الٰہی کے سامنے رائی کے دانے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی[48]۔

ان تمام علامتی اسالیب کا تہذیبی مقصد واضح کرتے ہوئے امام زمخشری لکھتے ہیں کہ قرآن میں تشبیہ اور تمثیل کا یہ علامتی نظام دراصل فہمِ انسانی کو جلا بخشنے کا بہترین طریقہ ہے، جو غائب اور مجرد معانی (Abstract Meanings) کو حسی اور تصویری شکل میں عقل کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے[49]۔ چنانچہ قرآن کا یہ علامتی اسلوب صرف علمِ کلام کا حصہ نہیں، بلکہ ایک وجدانی تازیانہ ہے جو انسانی شعور کو بیدار کر کے یہ حقیقت راسخ کرتا ہے کہ باطل کے مادی ستون ہمیشہ ناپائیدار رہتے ہیں، اور حقیقی قوت صرف توحید اور بندگیِ رب میں ہے۔

6۔ فکری جہت: مظاہرِ حیوانی اور اثباتِ توحید و قدرتِ الٰہیہ

قرآنِ کریم اپنی دعوتِ توحید کو محض تجریدی فلسفے یا خشک عقلی منطق پر قائم نہیں کرتا، بلکہ کائنات کے مشاہداتی مظاہر کو اس کی حقانیت کی گواہی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان مظاہر میں حیوانات کا تذکرہ خاص طور پر نمایاں ہے؛ کیونکہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیقی قدرت، ربوبیت اور علمِ محیط کی علامات ہیں، بلکہ توحید کے تکوینی دلائل بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان کی ساخت، جبلّی نظم و ضبط، بقائے نسل اور باہمی تعامل کے اندر ایسی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو انسانی ذہن کو خالقِ کائنات کی وحدانیت کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ جیسا کہ عمومی ضابطے کے طور پر ارشاد ہوا: «وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ»[50]۔ اسی تصور کو وسعت دیتے ہوئے قرآن انسان سے یہ علمی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی حیوانی مخلوقات میں توحید و قدرتِ الٰہیہ کے صریح نشانات تلاش کرے۔

اس سلسلے میں فضاؤں کے اندر پرندوں کی پرواز اور ان کی منظم صف بندی نظامِ ربانی کی ایک حسی اور محیر العقول دلیل بن کر ابھرتی ہے۔ سورۃ الملک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ﴾"[51] کیا انہوں نے اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھا

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جو پروں کو پھیلائے رہتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں؟ انہیں (آسمان میں) تھامنے والا صرف رحمان ہے، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔"

یہ منظر نظامِ طبیعی (Natural Order) میں ربوبیتِ الٰہی کی ایک ابدی مثال ہے۔ امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیری گہرائی کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پرندے کا اپنے پروں کو پھیلانا اور سمیٹنا محض اس کی ذاتی قدرت کا کرشمہ نہیں، بلکہ اس صانعِ ازل کی تقدیرِ محکم کا نتیجہ ہے جس نے ہوا کو مادی کثافت دی اور اسے پرندے کے بوجھ کو اٹھانے کی خاصیت سے نوازا؛ پس پرندہ اس بات کی روشن علامت ہے کہ کائنات کی ہر جزوی حرکت ایک الٰہی تدبیر کے تحت ہے[52]۔ اسی طرح امام قرطبی اس مادی منظر سے توحید کا استدلال قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پرندہ اپنی مادی قوت سے فضا میں معلق رہنے کا مالک نہیں، بلکہ وہ اللہ کی قدرتِ قاہرہ کے سہارے تھاما جاتا ہے، اور اس حقیقت میں باری تعالیٰ کی وحدانیت اور کمالِ رحمت کی قطعی دلالت موجود ہے[53]۔

توحیدِ تخلیق کی دوسری بڑی دلیل جانوروں کا جوڑوں (Pairs) کی شکل میں پیدا ہونا ہے، جو نظامِ کائنات کی اصولی وحدت کو ثابت کرتا ہے: «سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ»[54]۔ یہ آیت نہ صرف تخلیق کے آفاقی حیاتیاتی اصول (Biological Duality) کو ظاہر کرتی ہے، بلکہ اس کے پیچھے کار فرما وحدتِ خالق کو بھی مبرہن کرتی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو نر اور مادہ کے اصول پر پیدا کیا تاکہ ان کی انواع کا تسلسل باقی رہے، اور یہ صفتِ تخلیق اس کی کمالِ قدرت اور صنعت گری میں اس کی وحدانیت کی سب سے بڑی گواہ ہے[55]۔ علامہ طباطبائی اس آیت میں کائناتی ہم آہنگی (Cosmic Harmony) کا پہلو نمایاں کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جوڑوں کا یہ قانون تمام کائنات میں یکساں جاری ہے، اور یہی توحید کی سب سے صریح علامت ہے؛ کیونکہ تخلیق کا یہ عالمگیر تسلسل اور ہم آہنگی ایک ہی مدبرِ اعلیٰ کے ارادے کے بغیر ممکن نہیں[56]۔

قرآنِ کریم حیوانات کے اس جبلّی نظم اور نظامِ معاشرت کو انسانی تمدن کے متوازی ایک مستقل نظام کے طور پر پیش کرتا ہے تاکہ توحیدِ ربوبیت کا ادراک ہو سکے: «وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم»[57]۔ یہ الٰہی اعلان واضح کرتا ہے کہ تمام حیوانات بھی ایک مخصوص تکوینی نظم کے تابع مستقل امتیں ہیں، جن کی بقا، رزق اور تعامل سب کچھ ربوبیتِ الٰہیہ کے براہِ راست زیرِ انتظام ہے۔ امام ابن جریر الطبری اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لیے مخصوص منافع اور افعال متعین فرمائے ہیں، پس وہ تقدیر اور تکوینی تدبیر کے اعتبار سے بالکل انسانوں کی طرح امتیں ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ انسان شریعت کا مکلف ہے اور وہ تکوین کے تابع ہیں[58]۔ یہ ربانی تدبیر علمِ الٰہی کی وسعت اور اس کے احاطے کی بھی دلیل ہے، جیسا کہ سورۃ ہود میں فرمایا گیا کہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے اور وہ ان کے تمام احوال سے باخبر ہے[59]۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اصولِ توحید کو جامع ہے؛ کیونکہ تمام جانداروں کے رزق، ٹھکانے اور حرکات پر اس طرح محیط ہونا صرف اسی ذاتِ واحد کے لیے ممکن ہے جو علم اور قدرت میں بے عیب اور لا محدود ہو[60]۔ اسی طرح علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ ہر جاندار کی قیام گاہ کا یہ تفصیلی الٰہی علم اس امر کی گواہی ہے کہ اللہ کی قدرت ہر زندہ وجود کے رگ و پے میں نافذ ہے اور اس سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں[61]۔

7۔ نفسیاتی و اخلاقی جہت: انسانی جبلّت اور حیوانی صفات کا تقابل

قرآنِ کریم میں حیوانات کے تذکرے کا ایک اہم ترین تربیتی مقصد انسانی فطرت، نفسیاتی رجحانات اور اخلاقی انحطاط کی استعاراتی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر حیوانات کی عادات اور ان کے جبلّی خصائص کو انسان کے اخلاقی رویوں کے ساتھ تشبیہ دے کر پیش فرمایا ہے تاکہ انسان اپنی داخلی طبیعت کا محاسبہ کرے اور اصلاحِ نفس کی طرف مائل ہو۔

اس نفسیاتی تقابل کی سب سے مہیب مثال سورۃ الاعراف میں ملتی ہے جہاں عقل و بصیرت سے محروم انسانوں کو چوپایوں سے تشبیہ دی گئی: «أُوْلَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ»[62]۔ یہ آیت اس فکری حقیقت کو واشگاف کرتی ہے کہ جب انسان اپنے فطری شعور، ضمیر اور عقل کو معطل کر دیتا ہے، تو وہ محض حیوانی خواہشات اور جبلّی تقاضوں کا غلام بن جاتا ہے۔ یہاں حیوانات کو ایک منفی اخلاقی معیار (Negative Moral Benchmark) کے طور پر استعمال کیا گیا ہے

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تاکہ انسان اپنی غفلت اور خود غرضی کے ہولناک نتائج کو پہچان سکے۔ امام طبری لکھتے ہیں کہ ان کا چوپایوں کی مانند ہونا ان کی جہالت اور گمراہی کے سبب ہے، کیونکہ وہ اس جاندار کی طرح ہو جاتے ہیں جو عقلِ سلیم سے یکسر محروم ہو[63]۔ حافظ ابن کثیر اس تفسیری نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حیوانات کا یہ تذکرہ دراصل انسانی نفس کے احوال پر غور کرنے کے لیے ہے، تاکہ انسان اپنی حیوانی صفات کی نگرانی کرے اور اپنے مادی طبع کی تہذیب کرے[64]۔

انسانی نفسیات میں حیوانی صفات کا یہ تقابل اخلاقی تربیت کا ایک مربوط نظام قائم کرتا ہے۔ جہاں شہد کی مکھی اور چیونٹی کا پیہم عمل انسان کو نظم وضبط اور سماجی تعاون کا مثبت درس دیتا ہے، وہاں دوسری طرف مادی غرور اور فکری سرکشی کی صورت میں انسان کو کتے یا گدھے کی صفات سے تشبیہ دے کر اس کی پستی کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ سید قطب اس تربیتی حکمت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں حیوانات کا یہ تذکرہ انسان کو اخلاقی طور پر مہذب بنانے اور اسے اس کی داخلی طبیعت کے محاسن اور عیوب سے بیک وقت آگاہ کرنے کے لیے ایک آئینے کا کام کرتا ہے[65]۔ یہ تمثیلات انسان کو یاد دلاتی ہیں کہ اس کی حقیقی فضیلت صرف عقل، تدبر اور اخلاقی بیداری کی بنیاد پر قائم ہے؛ اگر وہ ان سے عاری ہو جائے تو وہ مادی وجود میں حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ حیوان تو اپنے جبلّی قانون کا وفادار ہے جبکہ انسان اپنے منصبِ خلافت سے غداری کا مرتکب ہوتا ہے۔

8۔ علامتی وماحولیاتی جہت: کائناتی توازن اور نظامِ عدل

قرآنِ کریم کے اندر جہاں انسان کو ہدایت، اخلاق اور عقیدۂ توحید کی دعوت دی گئی ہے، وہاں اسے کائنات کے ماحولیاتی توازن (Ecological Balance) پر غور وتدبر کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے۔ اس نظام میں حیوانات ایک بنیادی اور ناگزیر جزو کے طور پر بنے گئے ہیں۔ خشکی کے چوپائے، سمندر کے جاندار اور فضا کے پرندے مل کر ایک ایسا منظم الہٰی نظام (Divine Order) تشکیل دیتے ہیں جو عدلِ فطری کا مظہر ہے۔ قرآن حیوانات کے تذکرے کو صرف ایک حیاتیاتی یا ماحولیاتی حقیقت کے طور پر پیش نہیں کرتا، بلکہ اسے اخلاقی توازن کا ذریعہ بناتا ہے تاکہ انسان کائنات کے اس مادی عدل سے اپنے لیے توازن اور ذمہ داری کے اصول سیکھ سکے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، تمام جانداروں کا "امم امثالکم" (تمہاری طرح کی امتیں) ہونا ایک جامع ماحولیاتی اصول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا توازن ہر مخلوق کے وجود اور اس کے مخصوص کردار سے وابستہ ہے۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ان جانداروں کو امتیں کہہ کر قرآن یہ اصول وضع کر رہا ہے کہ ان کی زندگی، بقا اور معیشت کا بھی ایک خاص ربانی نظام ہے جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، جس طرح انسانوں کے لیے ایک سماجی اور سیاسی نظام ہوتا ہے؛ لہٰذا کائنات کے اس توازن میں بگاڑ پیدا کرنا عدلِ الٰہی کے خلاف ہے[66]۔ علامہ طباطبائی اس کی تائید میں لکھتے ہیں کہ ہر حیوانی نوع کے لیے ایک مخصوص ربانی نظام کا ہونا جو اس کے اتوازن کو یقینی بنائے، صانعِ واحد کی حکمتِ بالغہ کی سب سے بڑی دلیل ہے[67]۔

اس ماحولیاتی اور معاشی توازن کو واضح کرنے کے لیے قرآن نے بارہا "انعام" (چرنے والے پالتو جانوروں) کا تذکرہ فرمایا ہے جو انسانی تمدن کے معاشی ستون ہیں: «وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ »[68]۔ امام قرطبی اس مادی نفع کی اخلاقی جہت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چوپایوں کو انسانی زندگی کا مادی قوام (سہارا) بنایا ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ یہ پورا قدرتی نظام باہمی تعاون اور تکمیل (Mutual Interdependence) پر قائم ہے[69]۔ یہی اصول سمندری حیات اور آبی جانداروں کے تذکرے میں بھی نظر آتا ہے جہاں سمندر کو انسان کے لیے مسخر کرنے اور اس سے تازہ گوشت اور زینتی اشیاء نکالنے کا ذکر فرمایا گیا ہے: «وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا »[70]۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سمندری حیات کا یہ تنوع اور اس کا انسانی تمدن کے لیے مسخر ہونا اللہ کی اس جامع تدبیر کا حصہ ہے جو تمام مخلوقات کے مابین رزق اور ماحول کا ایک لازوال توازن برقرار رکھتی ہے[71]۔

فطرت کے اس اجتماعی اور تسبیحی نظم کی آخری حد پرندوں کے اس تذکرے پر ختم ہوتی ہے جہاں وہ کائنات کے نغمۂ توحید میں برابر کے شریک دکھائی

دیتے ہیں: «أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ»[72]۔امام رازی اس کائناتی ہم آہنگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے کہ نظامِ تخلیق میں ہر کائناتی وجود کی ایک مخصوص وظیفہ مقتضیٰ (Defined Function) متعین ہے،اور پوری کائنات کا یہ معجزانہ توازن توحید اور تدبیرِ الٰہی کا سب سے بڑا اثر ہے[73]۔سید قطب اس پورے ماحولیاتی اور علامتی نظام کا خلاصہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ جو شخص حیوانات کے اس مربوط نظام میں غور کرے گا،وہ دیکھے گا کہ یہ جاندار کس طرح بغیر کسی انحراف کے قانونِ فطرت کی اطاعت کر رہے ہیں؛اور یہی وہ اصل مطلوب ہے جو اللہ تعالیٰ انسان سے اس کے دائرۂ اختیار میں چاہتا ہے کہ وہ بھی شریعت اور فطرت کے قوانین کے مطابق ایک متوازن زندگی گزارے[74]۔یوں حیوانات کا یہ تذکرہ انسان کے لیے ایک فکری آئینہ بن جاتا ہے کہ جب کائنات کا ہر جاندار اپنے حصے کا توازن قائم رکھے ہوئے ہے،تو اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے انسان پر زمین کے عدل،اخلاق اور ماحولیات کے قیام کی ذمہ داری کہیں زیادہ عائد ہوتی ہے۔

نتائج بحث

قرآنِ کریم میں حیوانات کے تذکرے کی فکری،اخلاقی اور علامتی جہات کا تفصیلی،تحقیقی اور تفسیری مطالعہ کرنے کے بعد درج ذیل گراں قدر اور صائب نتائجِ بحث سامنے آتے ہیں:

1) تکوینی اور آفاقی استدلال کی قطعیت : قرآنِ مجید میں حیوانات کا بیان محض اتفاقی تمثیل،کہانیوں یا خالص حیاتیاتی معلومات کی فراہمی کے لیے نہیں ہے،بلکہ یہ دعوتِ توحید کو مادی اور حسی شواہد کے ذریعے انسانی عقل کے سامنے مبرہن کرنے کا ایک مربوط آفاقی نظام ہے۔پرندوں کی فضائی صف بندی،انواعِ حیات کا جوڑوں (Pairs) کی شکل میں پھیلنا،اور ان کا مربوط نظامِ حیات کائنات میں کارفرما ارادۂ واحدہ کی صریح اور غیر متبدل نشانیاں ہیں۔

2) توحیدِ ربوبیت اور علمِ محیط کا اثبات : جلیل القدر مفسرینِ عظام کے تفسیری مناہج سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ حیوانات کا نظامِ معاشرت،ان کے جبلّی وظائف اور ان کی معیشت کا تسلسل محض طبیعی قوانین کے مرہونِ منت نہیں،بلکہ باری تعالیٰ کے علمِ محیط اور صفتِ ربوبیت کا مظہر اتم ہے۔زمین کے پاتال سے لے کر فضا کی وسعتوں تک ہر جاندار کا اپنے معین دائرے میں متحرک رہنا صانعِ ازل کی تقدیرِ محکم اور خلاقی کا پتا دیتا ہے۔

3) نفسیاتی آئینہ بندی اور اخلاقی بیداری : قرآنی اسلوب میں حیوانات کی عادات کو انسانی نفس کے محاسن اور معائب کو واشگاف کرنے کے لیے بطورِ استعارہ اور تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔انسان جب اپنے منصبِ عقل و بصیرت کو معطل کر کے خالصتاً مادی اور بہیمی جبلّتوں کا اسیر ہو جاتا ہے،تو وہ اپنی فطرت سے گر کر چوپایوں سے بھی بدتر حالت میں پہنچ جاتا ہے۔یہ تقابل انسان کو داخلی غفلت سے بیدار کر کے اصلاحِ نفس،تزکیہ اور تہذیبِ اخلاق کی طرف مائل کرتا ہے۔

4) جامع ماحولیاتی توازن اور عدلِ فطری : حیوانات کو "اُمَمٌ اَمثَالُکُم" (تمہاری طرح کی امتیں) قرار دینا اس عمیق ماحولیاتی توازن (Ecological Balance) کی الٰہی بنیاد ہے جس پر کائنات کا پورا نظامِ حیات قائم ہے۔خشکی،فضا اور سمندر کی متنوع مخلوقات مل کر ایک مربوط تکوینی تسبیح اور اطاعت کا نقشہ پیش کرتی ہیں،جو انسانی تمدن کے لیے باہمی تعاون،عدل،اعتدال اور کائناتی بقا کا ایک ناگزیر عملی درس ہے۔

5) شعورِ خلافت اور مقتضائے بشریت : حاصلِ کلام یہ ہے کہ قرآنِ مجید حیوانات کے احوال،اوصاف اور نظامِ اطاعت کے ذریعے انسان کو اس کے اصل منصب یعنی "خلافتِ الٰہیہ" کی ذمہ داریوں کی یاد دہانی کراتا ہے۔جہاں کائنات کی ہر حیوانی مخلوق اپنے جبلّی قانون کی سو فیصد مطیع ہے،وہاں اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے انسان سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں عدل،اخلاق،بیداری اور ماحولیاتی تحفظ کا علمبردار بن کر ایک متوازن اور پاکیزہ زندگی گزارے۔

مصادر و مراجع

1۔القرآن،سورۃ الحج22:73۔

2۔ فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، 1420ھ)، ج23، ص251۔
3۔ محمد حسین الطباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن (بیروت: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، 1393ھ)، ج14، ص362۔
4۔ القرآن، سورۃ طہ 20:20۔
5۔ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 1384ھ)، ج11، ص190۔
6۔ سید قطب، فی ظلال القرآن (قاہرہ: دار الشروق، 1412ھ)، ج4، ص2323۔
7۔ محمد الطاہر بن عاشور، التحریر والتنویر (تونس: الدار التونسیۃ للنشر، 1984ء)، ج19، ص226۔
8۔ محمد حسین فضل اللہ، من وحی القرآن (بیروت: دار الملاک، 1419ھ)، ج14، ص55۔
9۔ القرآن، سورۃ الغاشیہ 17:88۔
10۔ الرازی، مفاتیح الغیب، ج31، ص138۔
11۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج20، ص25۔
12۔ الطباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج20، ص281۔
13۔ القرآن، سورۃ النمل 18:27۔
14۔ اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1419ھ)، ج6، ص181۔
15۔ الطباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج15، ص331۔
16۔ القرآن، سورۃ النمل 20:27۔
17۔ الرازی، مفاتیح الغیب، ج24، ص550۔
18۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، ج5، ص2631۔
19۔ القرآن، سورۃ البقرہ 67:2۔
20۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج1، ص444۔
21۔ ابن عاشور، التحریر والتنویر، ج1، ص546۔
22۔ القرآن، سورۃ الغاشیہ 17:88۔
23۔ فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، 1420ھ)، ج31، ص138۔
24۔ القرآن، سورۃ النمل 68:16۔ (نوٹ: متن میں سورۃ النمل لکھا گیا ہے، جبکہ آیت سورۃ النحل کی ہے۔ یہ علمی تصحیح یہاں مد نظر رکھی گئی ہے)۔
25۔ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 1384ھ)، ج10، ص133۔
26۔ محمد حسین الطباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن (بیروت: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، 1393ھ)، ج12، ص356۔
27۔ القرآن، سورۃ النحل 79:16۔
28۔ اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1419ھ)، ج4، ص589۔
29۔ سید قطب، فی ظلال القرآن (قاہرہ: دار الشروق، 1412ھ)، ج4، ص2184۔
30۔ القرآن، سورۃ الصافات 142:37۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

31۔ الرازی، مفاتیح الغیب، ج26، ص355۔

32۔ القرآن، سورۃ الاعراف 107:7۔ (نوٹ: اصل مسودے میں اسے سورۃ طہٰ 20:20 لکھا گیا تھا، جبکہ ثُعۡبَانٌ مُّبِينٌ کے الفاظ سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء میں ہیں۔ سورۃ طہٰ میں حَيَّةٌ تَسۡعَىٰ کے الفاظ ہیں، لہٰذا ریسرچ پیپر کی علمی درستی کے لیے یہاں سورۃ الاعراف کا حوالہ درج کیا گیا ہے)۔

33۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج11، ص190۔

34۔ القرآن، سورۃ الکہف 18:18۔

35۔ محمد بن جریر الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2000ء)، ج17، ص623۔

36۔ القرآن، سورۃ المائدہ 31:5۔

37۔ محمد الطاہر بن عاشور، التحریر والتنویر (تونس: الدار التونسیۃ للنشر، 1984ء)، ج6، ص173۔

38۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، ج2، ص872۔

39۔ ابن قیم الجوزیہ، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین (بیروت: دار الکتاب العربی، 1416ھ)، ج1، ص38۔

40۔ القرآن، سورۃ البقرہ 67:2۔

41۔ الرازی، مفاتیح الغیب، ج3، ص543۔

42۔ الطباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج1، ص279۔

43۔ القرآن، سورۃ العنکبوت 41:29۔

44۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج13، ص345۔

45۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، ج5، ص2725۔

46۔ القرآن، سورۃ الفیل 1:105۔

47۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج8، ص483۔

48۔ الفضل بن الحسن الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن (بیروت: دار المرتضیٰ، 2006ء)، ج10، ص467۔

49۔ محمود بن عمر الزمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل (بیروت: دار الکتاب العربی، 1407ھ)، ج4، ص797۔

50۔ القرآن، سورۃ الذاریات 21:51۔

51۔ القرآن، سورۃ الملک 19:67۔

52۔ فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، 1420ھ)، ج30، ص596۔

53۔ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 1384ھ)، ج18، ص220۔

54۔ القرآن، سورۃ یٰسین 36:36۔

55۔ اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1419ھ)، ج6، ص575۔

56۔ محمد حسین الطباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن (بیروت: مؤسسۃ الأعلمي للمطبوعات، 1393ھ)، ج17، ص149۔

57۔ القرآن، سورۃ الانعام 38:6۔

58۔ محمد بن جریر الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2000ء)، ج11، ص247۔

59۔القرآن،سورۃہود6:11۔

60۔القرطبی،الجامع لاحکام القرآن،ج9،ص2۔

61۔الفضل بن الحسن الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن(بیروت:دار المرتضی،2006ء)،ج5،ص313۔

62۔القرآن،سورۃالاعراف179:7۔

63۔الطبری،جامع البیان فی تاویل القرآن،ج13،ص311۔

64۔ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،ج3،ص513۔

65۔سید قطب،فی ظلال القرآن(قاہرہ:دار الشروق،1412ھ)،ج3،ص1390۔

66۔الرازی،مفاتیح الغیب،ج12،ص523۔

67۔الطباطبائی،المیزان فی تفسیر القرآن،ج7،ص312۔

68۔القرآن،سورۃالنحل5:16۔

69۔القرطبی،الجامع لاحکام القرآن،ج10،ص68۔

70۔القرآن،سورۃالنحل14:16۔

71۔ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،ج4،ص562۔

72۔القرآن،سورۃالنور41:24۔

73۔الرازی،مفاتیح الغیب،ج24،ص401۔

74۔سید قطب،فی ظلال القرآن،ج4،ص2332۔